ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

فلسفہ کا آغاز

فلسفہ حیات و کائنات کی ماہیت پر غور و فکر کا نام ہے۔ دنیا میں دین ہر جگہ حکمت سے قبل موجود تھا۔ مظاہرِ حیات اور مقاصدِ زندگی کی توجیہہ و تعیین، ارتقا کی ابتدائی منزل میں مذہب کے رنگ میں نمودار ہوتی ہے۔ دیومالا اور صنمیات انسان کی ابتدائی سائنس بھی ہے اور اس کا ابتدائی مذہب بھی۔ یہ توجیہات دینیات اور اخلاقیات کی صورت اختیار کر کے مختلف انسانی شعوب و قبائل میں ہزارہا سال تک مظاہرِ فطرت کی توجیہہ اور زندگی کا لائحۂ عمل رہیں۔ زندگی کی مادی اور حیاتیاتی کشاکش نے انسان کو اس سے آگے قدم اٹھانے نہ دیا۔ اس قسم کے طویل ارتقا کے بعد کہیں کہیں بعض اقوام میں ایسے اسباب و عوامل پیدا ہوئے اور بعض افراد نے اپنے مذہبی اور توارثی تصورات سے کسی قدر ہٹ کر ماہیتِ کائنات پر غور و فکر شروع کیا اور آزادانہ تفکر کے نتائج نے دینیات کی جگہ لینا شروع کی۔ جس قوم میں مذہبی اور اخلاقی مسلّمات راسخ عقائد کی صورت میں زندگی کے ہر شعبے پر قابض ہوں وہاں حکمت یا فلسفہ کا آغاز نہیں ہو سکتا۔ حکمت آزادانہ مشاہدے اور آزادانہ استدلال ہی سے پیدا ہو سکتی ہے۔ بنی اسرائیل میں دینی عقائد کی گرفت بڑی قوی تھی اس لیے اس قوم کے لیے نبوّت سے حکمت کی طرف قدم اٹھانا دشوار تھا۔ عرصۂ دراز تک آریاؤں کا بھی یہی حال رہا لیکن ہندوستان میں پہنچ کر کوئی ایک ہزار قبل مسیح کے زمانے میں یہ قوم بود و عدم کے قلزم میں غوطے لگانے لگی۔ دوسری طرف اسی زمانے کے قریب یونانیوں میں ایسا ماحول پیدا ہو گیا کہ بعض افراد کے لیے مسلّمہ عقائدِ دینی اور صنمیات سے ہٹ کر ماہیتِ کائنات پر غور و خوض ممکن ہو گیا۔ حکمتِ یونانی کا آغاز ایشیائے کوچک کے شہر ملطیہ میں ہوا۔ ایشیائے کوچک کے ساحل پر یہ شہر بڑی قوت و ثروت کا مالک تھا اور شرق و غرب کی تجارت کی گزرگاہ تھا۔ ایسی جگہوں پر متاعِ تجارت کے لین دین کے ساتھ ساتھ افکار کا تبادلہ بھی ہوتا ہے۔ جو قوم اپنے رسوم و عقائد میں گھری رہنے اور مختلف عقائد و شعائر والی دیگر اقوام سے بے تعلق ہو اس کے افکار میں تنگی اور جمود کا پیدا ہو جانا لازمی ہوتا ہے۔ اس کے برعکس وسیع پیمانے کی تجارت ثروت آفرینی بھی کرتی ہے اور فرصت آفرینی بھی، اور ثروت و فرصت کے ملاپ سے بعض طبقوں اور بعض افراد میں عقائد کی گرفت ڈھیلی ہو جاتی ہے۔ چشمِ تنگ کثرتِ نظارہ سے وا ہو جاتی ہے۔ افکار و عقائد کے تصادم سے تشکیک پیدا ہوتی ہے اور تشکیک فکر کے لیے تازیانہ بن جاتی ہے۔ ذہین اقوام اور ذہین افراد فرصت کی بدولت حکمت و تہذیب کو

فروغ دیتی ہیں قارون نے اسی شہر ملطیہ میں دولت اندوزی کی۔ لیکن اسی شہر میں بعض مفکرین نے حکمت کے خزانے جمع کرنے شروع کر دیے۔

انسان کی نظر باطن سے پہلے خارج پر پڑتی ہے۔ جسم نظر آتا ہے روح نظر نہیں آتی۔ مادّہ ایک پائدار حقیقت معلوم ہوتی ہے اور اس کے مقابلے میں نفس اور ذہن، مادّہ اور حرکت کے عوارض معلوم ہوتے ہیں۔ یونانیوں میں حکمت کا آغاز اس سوال سے پیدا نہیں ہوا کہ میں کیا ہوں اور زندگی کا مقصد کیا ہے بلکہ اس سوال سے کہ یہ کائنات اور موجودات جو اس قدر متنوّع اور متغیّر ہے اس کی اصلیت کیا ہے۔ خارج کی توجیہہ کرتے ہوئے بھی فطرت انسانی اس یقین کے ساتھ آغاز کرتی ہے کہ یہ کثرت اعتباری اور مجازی ہے اور اس کی ماہیّت کسی قسم کی وحدت ہے۔ وجودِ حقیقی کوئی ایک ہی شے ہے جو مختلف صورتیں اختیار کرنے پر بھی الآن کما کان موجود ہے۔ وہ ایک شے کیا ہے جس سے کائنات کی ہر چیز بنتی ہے۔ وہ کیا چیز ہے جو ہر ظاہر کا باطن ہے۔ کہتے ہیں کہ طالیس ملطی سب سے پہلا یونانی حکیم تھا جس نے اس قسم کے تفکّر کا آغاز کیا۔ اس حکیم کے متعلق یقینی طور پر کچھ معلوم نہیں ہو سکتا۔ کہتے ہیں کہ وہ بڑا ہیئت دان تھا اور ستاروں کو دیکھتے دیکھتے وہ گردوپیش سے ایسا بے خبر ہوا کہ کنوئیں میں گر گیا۔ ایک روایت اس کے برعکس یہ تھی کہ یہ دیوانہ بکار خویش ہوشیار تھا۔ فصلوں کے متعلق دوسروں سے زیادہ علم رکھنے کی وجہ سے اس نے زیتون کی تمام فصل کا پیشگی سودا کر دیا اور اس سے بہت دولت پیدا کی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ فوجی انجینئر تھا اور قارون کی ایک مہم میں اس کے ہمراہ تھا اور اس نے دشمن کو زک دینے کے لیے ایک دریا کا رخ بدل دیا۔ اس کی سیاست دانی کے قصے بھی مشہور ہیں کہ اس نے ایونیائی شہری مملکتوں کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ ایک وفاق قائم کر کے غنیم کے مقابلے میں اپنی آزادی کو محفوظ کر لیں۔ تاریخ حکمت میں اس کی بابت صرف یہی کام کی بات ملتی ہے کہ اس نے کہا کہ کائنات میں پانی ہی ہر شے کی اصل اور علت ہے۔ یہ نتیجہ فکر کچھ ایسا اہم معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی بنا پر کسی مفکّر کو حکیم اوّل قرار دیں لیکن جواب کے مقابلے پر اس کا سوال زیادہ اہم ہے اور یہ انداز فکر ارتقائے حکمت میں بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ کسی فکری علت میں سے فطرت کے مظاہر کی توجیہہ کی جائے۔ گویا اس انداز فکر سے فوق الفطرت دیوتاؤں یا قوتوں سے مظاہر کی توجیہہ کا باب ختم ہو گیا۔ مذہبی، اخلاقی اور توہماتی تصورات سے مرکب نظریاتِ تکوین قدیم مذاہب میں جا بجا موجود تھے۔ آریاؤں میں، بنی اسرائیل میں اور یونانیوں میں کونیاتی تصوّرات پائے جاتے تھے۔ لیکن تصوّر اور توہم کی اس آمیزش سے حکمت پیدا نہیں ہو سکتی۔

طالیس کی اس توجیہہ کو مادیت کا فلسفہ نہیں کہہ سکتے۔ یہ فلسفہ نہ مادیت ہے اور نہ روحیت کیونکہ اس منزل پر ابھی مادہ اور روح کی تفریق کا کچھ احساس نہیں ہے جو کچھ بھی ہے وہ مادہ بھی ہے اور جان بھی اور روح بھی۔ یہ بات ایک حد تک قابل فہم ہے کہ طالیس نے پانی کو کیوں کائنات کا جوہر قرار دیا۔ اس نے سوچا کہ جوہر اصلی وہی ہو سکتا ہے جو مختلف

صورتیں اختیار کر سکے اور ہر سانچے میں ڈھل سکے۔ پانی ٹھوس بھی بن جاتا ہے اور سیال بھی، اس کے علاوہ وہ بھاپ بن کر ہوا کی صورت بھی اختیار کر لیتا ہے۔ مزید براں زندگی خواہ وہ نباتی ہو اور خواہ حیوانی پانی کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ پانی کی اس ہمہ گیر صفت اور قوت کی طرف اسلامی تعلیم میں بھی ایک اشارہ موجود ہے کہ عرشِ الٰہی پانی پر قائم ہے۔ اگر عرش سے خلاقی کی قوت مراد لی جائے تو سمجھ میں آ سکتا ہے کہ عرش کے پانی پر ہونے کے کیا معنی ہیں سورج پانی ہی سے بادلوں کو بناتا اور زمین پر برساتا ہے جس سے طرح طرح کی روئیدگی پیدا ہوتی ہے۔

اس کے بعد ایک دوسرے حکیم ملطی نے تفکر میں ایک قدم آگے بڑھایا۔ اس نے طالیس کے نظریہ کو اس لیے ناقص قرار دیا کہ اس نے عناصر میں سے ایک عنصر کو اساسِ کائنات بنا دیا۔ اس نے کہا کہ عالم مظہرِ عالمِ اضداد ہے۔ یہاں تر بھی ہے اور خشک بھی / سرد بھی ہے اور گرم بھی۔ جوہرِ کائنات ایک ایسی وحدت ہونا چاہیے جو اضداد سے ماوراء ہو۔ وہ ظاہری اضداد کا سرچشمہ بھی ہو اور ان میں پھر عدل اور توازن بھی قائم رکھ سکے۔ اگر اضداد کی تہ میں یہ وحدتِ عادلہ موجود نہ ہو تو کوئی ایک عنصر یا کوئی ایک صفت موجودات پر چھا کر اس کو فنا کر دے گی۔ اس نے کہا کہ کوئی ایک عنصر انتہائی علت اور اصلی جوہر نہیں ہے بلکہ تمام عناصر ایک لامحدود جوہر کے مظاہر ہیں۔ اس لامحدود جوہر میں سے لامحدود عالم پیدا ہو سکتے ہیں۔ طالیس سے وہ اس حد تک اتفاق کرتا ہے کہ نباتی اور حیوانی زندگی پانی سے ظہور میں آئی۔ آدمی پہلے مچھلی کی طرح تھا اس کے بعد ماحول سے تطابق کی ضرورت نے زمین پر بھی زندگی ممکن کر دی۔ اس نظریہ میں اس نے جدید نظریہ ارتقا کی پیش بیانی کی ہے۔ سائنس کی اتنی ترقی کے بعد انسان اسی خیال پر واپس آ گیا ہے۔ کیا انکسی نیڈر کے اس نظریہ کو مادیت کہہ سکتے ہیں؟ اس لحاظ سے اس کو مادیت کہنا درست ہو گا کہ اس میں فطرت کی توجیہہ کسی ذی شعور نفس یا روح سے نہیں کی گئی۔ لیکن جس اصلی جوہر کو مادی مظاہر اور عناصر سے ماوراء اور لامتناہی قرار دیا گیا ہے کیا اسے مادہ کہہ سکتے ہیں؟ جدید طبیعیات میں مادے کی ماہیت کی تحقیق نے علمائے طبیعیات کو اس نظریہ تک پہنچا دیا جہاں مادہ کوئی مستقل اور ٹھوس حقیقت نہیں رہا بلکہ زمان و مکان کی اضافات اور ریاضیاتی تصورات کا تار و پود بن کر کسی غیر مادی حیثیت سے متمائز نہیں رہا۔ انکسی مینڈر کا ماورائے عناصر مادہ بھی فطری عناصر سے ماورائے ایک فوق الفطرت لامتناہی جوہر رہ جاتا ہے جسے اگر نفس نہ کہہ سکیں تو بھی عام طبیعیاتی معنوں میں مادہ کہنا بھی دشوار ہے۔ صورت از بے صورتی آمد برون۔ مادے کی صورتوں کا کوئی قانون اس بے صورتی پر قابلِ اطلاق نہیں ہو سکتا جو تمام اضداد و صفات کا سرچشمہ، لیکن ان سب سے ماورائے ہے۔ طالیس نے وحدت کی تلاش میں ایک عنصر کو ماخذ اور اصل قرار دیا انکسی مینڈر کا جوہرِ اصلی تمام عناصر اور ان کی صفات سے منزہ اور بالاتر ہو گیا۔

طبیعیات سے نفسیت، روحیت یا الوہیت کی طرف بڑھتے ہوئے ریاضیات ایک منزلِ سر راہ ہے۔ حقیقتِ اشیا

حقیقت تصورات، ماہیت تصورات سے حقیقت نفس کا عرفان اور نفس انسانی سے نفس کلی کی معرفت ارتقائے حکمت کی مختلف منزلیں ہیں۔ فکر یونانی دو تین صدیوں کے عرصے میں کائنات کے طبیعی جوہر سے لے کر نفس کل اور عقل کل تک پہنچ گیا۔ طبیعی فلاسفہ کے بعد فیثا غورس آتا ہے جسے اشیا کی ماہیت، ریاضیات میں نظر آئی۔ اس نے کہا کہ ہر شے کی ماہیت عدد اور تناسب اور مقدار ہے۔ ہر شے ریاضیاتی اصول سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اس لیے ہر طبیعی مظہر کی حکیمانہ توجیہہ ریاضیات ہی سے ہو سکتی ہے۔ اشیا ریاضیات کی ظاہری صورتیں ہیں۔ ریاضیات تصورات ازلیہ پر مشتمل ہے۔ جدید طبیعی سائنس نے اس خیال کی بھی تصدیق کر دی۔ طبیعیات کو ریاضیات سے الگ نہیں کر سکتے۔ علم ہیئت بھی ریاضیات ہی کی ایک شاخ ہے جس طبیعی علم میں جتنا دخل ریاضیات کو حاصل ہو اتنا ہی وہ علم یقینی بن جاتا ہے۔ حکمائے یونان میں فیثا غورس کو ایک بہت بڑا درجہ حاصل ہے۔ ایک طرف اس نے یہ بتایا کہ طبیعی سائنس کی اساس کیا ہے اور دوسری جانب اس نے افلاطون کی عقلیت اور تصوریت کے لیے راستہ صاف کر دیا۔ یونانی حکمت ریاضیات کے راستے سے افلاطونی نفسیت اور عقلیت کی طرف بڑھی۔ افلاطون اپنی اکاڈمی میں کسی ایسے طالب علم کو شریک نہ کرتا تھا جو ریاضیات سے واقف نہ ہو۔ ریاضیات کی تعلیم اس کا مقصد نہیں تھا لیکن وہ عقلی مابعد الطبیعیات کی تعلیم کے لیے اس کو لابدی سمجھتا تھا کہ ریاضیات سے واقف ہو کر طالب علم اشیا کی مادیت کی گرفت سے آزاد ہو جائے۔ ریاضیاتی تصورات جو تمام مادی اشیا کی اصل ہیں وہ خود مادی نہیں بلکہ عقلی تصورات ہیں جو غیر متبدل ازلی حقائق ہیں۔ اشیا اور حوادث میں کون و فساد ہے لیکن ریاضی کے اصول غیر متبدل اور ازلی ہیں۔ انکسی مینڈر پر صرف اتنا انکشاف ہوا تھا کہ جوہر لامتناہی جو تمام عناصر و اشیا کی اصل ہے وہ لامتناہی اور عناصر و اشیا سے ماورا ہے۔ فیثا غورس نے اس ازلی حقیقت کو پا لیا جو مادہ اور اس کے تغیرات میں موجود ہے اور اس کے بغیر کوئی شے وجود پذیر نہیں ہو سکتی۔ متغیر مادی وجود غیر متغیر اور غیر مادی حقیقت سے سرزد ہوتا ہے۔ فیثا غورث نے افلاطون کی عظیم الشان تصوریت کے لیے راستہ صاف کر دیا۔ افلاطون کے ہم عصر دیمقراطیس کی تعلیم میں مادیت نے پھر ایک منظم تعلیم پیش کی۔ لیکن فیثا غورس کے بعد غیر مادی عقلیت اور تصوریت حکمت کے ضمیر میں داخل ہو گئی۔

افکارِ غزالی

مصنفہ محمد حنیف ندوی

امام غزالی کے شاہکار "احیاء العلوم" کی تلخیص اور ان کے افکار پر سیر حاصل تبصرہ۔ غزالی کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے یہ کتاب نہایت مفید ہے۔ قیمت آٹھ روپے آٹھ آنے۔

ملنے کا پتہ: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور